ہمارے یہاں حکومتی اور نیم حکومتی انتظام میں چلنے والے تعلیمی اداروں کی اقسام یہ ہیں:
۱۔ عام گورنمنٹ پرائمری، مڈل، ہائی اسکول۔ ۲۔ پائیلیٹ سیکنڈری سکولز۔ ۳۔ گورنمنٹ کمپری ہنسوا سکول۔ ۴۔ پنجاب میں ۳ سنٹرل ماڈل اسکول۔ ۵۔ ڈویژنل پبلک اسکول۔ ۶۔ وہ پبلک اسکول جن کے بورڈ آف گورنرز کی صدارت گورنر صوبہ پنجاب کے پاس ہے (مثلاً ایچی سن کالج) ۷۔ کنٹونمنٹ بورڈ اسکول۔ ۸۔ بلدیاتی اداروں کے تحت چلنے والے اسکول۔ ۹۔ بلدیاتی اداروں کے تحت چلنے والے جونیر ماڈل اسکول۔ ۱۰۔ حکومت کے تحت چلنے والے جونیر ماڈل اسکول۔ ۱۱۔ کیڈٹ اسکول۔ ۱۲۔ نیشنلائزڈ اسکول۔ ۱۳۔ پرووِنشلائزڈ اسکول۔ ۱۴۔ سوشل سیکورٹی اسکول۔

نظامِ مدارس کی یہ رنگا رنگی اور ان میں درجہ بندی معاشرے کے طبقاتی انتشار کی آئینہ دار ہے۔

اِن سب پر تفصیلی گفتگو ممکن نہیں۔ ہم ایک ہی قسم کو لیتے ہیں۔ جن کی چھاپ مقبول ترین ہونے کی وجہ سے مختلف اداروں پر مختلف درجوں میں اثر انداز ہے — یہ ہیں:

ST. JOSEPH ، ST. MARY ، ST. ANTHONY ، SACRED HEART.

اور کیتھیڈرل نام کے بہت سے ادارے جو عیسائی مشنری کے قائم کردہ ہیں۔ یہ ادارے اس تصور پر قائم کیے گئے ہیں کہ برصغیر میں بسنے والی اقوام غیر مہذب اور تعلیم سے بے بہرہ ہیں ہم انہیں تہذیب اور تعلیم سکھانے پر مامور ہیں[1]۔ یہ ادارے بیرونی مشنریوں کی مالی امدادوں پر اور عیسائی حکومتوں کی سرپرستی میں اور سمندر پار کے چھپے ہوئے لٹریچر کی مدد سے ملحدانہ کلچر کو عیسائیت کا رنگ دے کے اُسے پھیلا رہے ہیں اور شاخ در شاخ کتنے ہی کیتھیڈرل قائم ہیں۔

---

[1] ترتیب اُلٹ گئی۔ پہلے مسلمان دنیا کو علم اور تہذیب کی نعمتیں عطا کرنے والے تھے، اور محتاجوں میں خود یورپ شدید ترین محتاج تھا۔ اب مسلمانوں کو علم اور تہذیب سکھانے والے اغیار ہیں ہم نے اپنی سابق پوزیشن بحال کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ آج ہم دُنیا میں علم و تہذیب کے اوّل درجے کے گداگر ہیں۔

نصاب کی بالکل ابتدائی انگلش کتابوں میں عریاں رانوں کے ساتھ ایک لڑکی اور مغربی لباس میں ایک لڑکا، بار بار اُن کے عیسائی نام اور بار بار ان کی تصویریں، پھر ایک کتا، بار بار کتا مختلف حالتوں میں، پھر نام لیے بغیر کرسمس ٹری، ایک سے زیادہ بار ـــ نہ محمد مصطفیٰ کا ذکر، نہ مسجد کی تصویر، نہ قرآن کی کوئی آیت ــ تاریخ اور جغرافیہ بھی اگر مذکور ہوا تو یوں کہ ایک باب کا عنوان ہے:۔

"IRRIGATION SYSTEM DURING TUDOR DYNASTY"

یعنی ٹیوڈر بادشاہوں کے زمانے کا نظامِ آب پاشی جس کا تعلق انگلینڈ سے ہے۔

اب ذرا ان مدارس کے ماحول کی ساحری کا اندازہ ان الفاظ میں کیجیے:

اِس نصاب کے ساتھ ان اسکولوں کی پُر وجاہت عمارتیں، طلبا کی محدود تعداد کے لیے کشادہ کلاس رومز، طویل راہداریاں، کامن رومز، آڈیٹوریم، تفریح، تیرنے کے حوض، جسمانی تربیت کے لیے جمنیزیم، کھیلوں کے سرسبز گراؤنڈ، رہائش کے لیے باوقار ہوسٹل اور ان میں مامور خدام، یہ سب مراعات بچے کو ہمہ وقت یہ احساس دلاتی ہیں کہ وہ اہم ہے۔ مشن اسکولوں میں فادر کا پُر نور چہرہ، سفید ڈاڑھی، سفید لباس، گلے میں صلیب کا نشان اور راہبات کے جھمگھٹے [1]

[1] ان کے بالمقابل بچہ جب محلے یا گاؤں کی مسجد کے امام صاحب کی مفلوک الحالی اور ان کے میلے لباس کو دیکھتا ہے تو اندازہ کر لیجیے کہ اس کے دل میں اپنی اقدار و روایات کا کونسا درخشاں تصور پیدا ہوگا۔ اور ان سے اس کو کیا وابستگی پیدا ہوگی۔

علاوہ اس کے (MASS EDUCATION) کے لیے حکومتی یا تجارتی یا رفاہی یا باگرہی ادارے جو چل رہے ہیں۔ ان میں بچوں کی بھرمار ہے ـ ایک ایک کلاس روم میں سو سو بچے بیٹھتے ہیں۔ فرنیچر، تجربہ گاہوں اور دیگر تعلیمی سہولتوں کا فقدان ہے، کھیل کے میدان ناپید ہیں۔ اساتذہ بالعموم معیارِ مطلوب سے فروتر ہیں۔ بچہ اول روز سے عدمِ توجہی (باقی بر صفحہ آئندہ)

اِن اداروں کو ہمارے ہاں کے نظامِ امتحانات سے بھی بالاتری حاصل ہے۔ اور محض اس وجہ سے یہ جو کچھ بھی جس طرح چاہیں پڑھاتے سکھاتے رہیں۔ یہاں سے مؤثر مداخلت نہیں کی جا سکتی۔ یہ بے شمار آزاد جزیرے ہیں جو ہماری اجتماعی زندگی کے سمندر میں ہم سے تعلیمی و تہذیبی اختلاف رکھنے والوں نے تعمیر کر لیے ہیں۔

دردناک حقیقت یہ ہے کہ کئی پبلک سکول اور کالج ایسے ہیں جن میں ہمارے بعض لیڈروں کے خصص ہیں، یا وہ ڈائریکٹر ہیں یا صدر ہیں یا مہمانِ خصوصی بن کے جاتے ہیں۔ اور اپنی سرپرستی میں ان کو نوازنے کے ساتھ انعامات یا اسناد تقسیم کرتے ہیں۔ اس وقت باہر کے چالاک شکاری دل ہی دل میں کہتے ہوں گے، کس خوبی سے ہم نے ایک قوم کی قوم کو اُلو بنایا۔

اب یہ ادارے جو ہر سال صدہا نوجوانوں کو تیار کر کے (اور کبھی مغربی بلند تعلیم سے گزار کر) ہماری فوجی اور سول بیوروکریسی میں ڈال رہے ہیں۔ اور خاکروب خاندانوں کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور بعض اوقات تشدد کا شکار رہتا ہے۔ وہ کئی وجوہ سے سکول میں سبق کو سمجھ نہیں پاتا۔ گھر کا ماحول مفوضہ کام کرنے کے لیے سازگار نہیں اور نہ کوئی مدد دینے والا ہے۔ ان سارے حالات کی سزا اسے گالیوں، ڈنڈوں، گھونسوں اور مرغا بننے کی صورت میں ملتی ہے۔ مایوسیوں اور ناانصافیوں کی گود میں پروان چڑھنے والے ایسے بچے ہر شعبۂ زندگی میں کام چور، خائن اور اپنے آپ سے خفا اور معاشرے سے بیزار رہتے ہیں۔

گویا ہمارے ہاں کے اس طرح کے تعلیمی ادارے بچوں کو اپنے دین اور ملک سے مایوس اور مشنری اسکولوں اور ان کے رنگ میں رنگے ہوئے اسکولوں اور ان کے نظام اور ان کے مذہب سب کے لیے اپنے اندر ایک مرعوبیت لے کے اُٹھتے ہیں۔ گویا ہم اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے تعلیمی محاذ پر ان اغیار سے مار کھا رہے ہیں، جو باہر سے یہاں آ کر کام کر رہے ہیں۔ ہائے یہ زنانہ طرز کی شکست! یہ صورتِ حالات بھی گویا ہمارے دین و تہذیب ہی کے لیے نہیں، مُلکی استحکام کے لیے بھی تباہ کن ہے۔

لڑکوں اور لڑکیوں کو اپنے خرچ پہ پڑھا کر، بپتسمہ دے کر، اپنے بے شمار تعلیمی اداروں میں معلمانہ مسندوں پہ بٹھا کر بڑے بڑے خاندانوں اور نوابوں اور جاگیرداروں اور جرنیلوں اور وزیروں کے بچوں کو ان کی شاگردی کے سایہ میں دیئے ہوتے ہیں۔ اندازہ کیجیے ایسے معلمین و معلمات کے سماجی مرتبے (STATUS) میں آنے والے انقلابِ عظیم کا۔ "صاحب" کے گھر کموڈ اور گندی نالیوں کو صاف کرتے کرتے بچے اُٹھتے ہیں اور اسی صاحب کے بچوں یا نواسوں اور پوتوں کے لیے سر، ماسٹر، اور مس یا میڈیم بن کر ان کو امریکیوں اور انگریزوں کے ذہن سے جب غیر اسلامی اور غیر پاکستانی تہذیب کے سانچے میں ڈھال رہے ہوتے ہیں تو اس شکل میں گویا مسلمانوں کی دینی برتری اور تہذیبی خودداری کا انتقام لے رہے ہوتے ہیں۔ اور بڑے بڑے خاندانوں کے نادان مسلمان خوش ہو رہے ہوتے ہیں کہ اب ان کی اولادیں ترقی کی راہ پہ پڑ گئی ہیں۔ گویا اس تعلیمی و تہذیبی صلیبی جنگ میں ہم اپنی ملی خودی کے یروشلم کی کنجیاں فاتح صلیبی قوت کے حوالے کر رہے ہوتے ہیں۔ اور اسے کامیابی سمجھتے ہیں کہ ایک پرانا کباڑ خانہ دشمن کی تحویل میں دے دیا گیا ہے۔

اِن تعلیمی اداروں کی مثال میں کہا جاتا ہے کہ یہ سائنسی ترقی کا ذریعہ ہوں گے۔ انگریزی دور سے لے کر اب تک برابر یہ کام کرتے رہے ہیں۔ بتایئے انہوں نے کوئی سائنس دان پیدا کیا؟ کوئی صاحبِ ایجادات کہیں سے اُبھرا ہے؟ کسی نے ملکی استعمالی اور مشینی اور دفاعی صنعتوں میں کوئی نیا اقدام کر دکھایا؟ حقیقت میں سائنس کا نام ہی نام ہے۔ اصل میں گرجے، مخلوط سوسائٹی، ننگی ٹانگوں، کھلے بالوں اور انسانی زندگی میں کتوں کی بڑھتی ہوئی اہمیت کے علاوہ مناظر سے لطف اندوزی اور خواہشات سے تفریح حاصل کرنے اور حقیقی خدا پرستی، دینداری، عبادات، حدودِ حلال و حرام، اخلاقی بلندی و پستی کے پورے تصورات سے ہماری نسلوں کو دُور لے جانا مقصود ہے۔ چنانچہ یہ سب مسیحی اور مسیحیت و مغربیت کی پرچھائیں قبول کرنے والے پبلک اسکول ہم لوگوں کی اولادوں کو ایسے جانوروں میں بدل دینا چاہتے ہیں جو کھانے پینے اور دیگر موانحات میں اندھا دھند مشغول ہوں، دولت کی اتنی تونس رکھتے ہوں کہ خیانت کا رنگ خوب پھیلائیں۔ عورت کو گھر سے نکال کر پردے سے اور بڑی حد تک لباس سے بھی آزاد کر کے